جناب آغا خان (شہزادہ کریم) کی مغرب سے اپیل

اسماعیلی جماعت کے معروف روحانی رہنما جناب آغا خان (شہزادہ کریم) نے براؤن یونیورسٹی (Brown University) کی ایک تقریب میں فارغ ہونے والے طالب علموں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: "امریکہ اور مغرب میں مسلم دنیا اپنے (اسلامی) عقیدے کی، جو امن و آشتی کا پیغام ہے، بہ نسبت ایک اقلیتی گروہ کی دہشت گردی کی وجہ سے جانی جاتی ہے۔" جناب آغا خان نے اپنی تقریر میں مزید کہا کہ "مغربی ثقافتوں کے اجتماعی شعور میں اسلام اور مسلم الفاظ نفرت اور بد نظمی کے روپ میں طلسماتی طور پر ابھرتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تشدد یا دہشت گردی مسلم عقیدے کا عمل نہیں ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ یہ دہشت گردی (جس کا ظہور ایک چھوٹے سے گروہ کی طرف سے ہوتا ہے) مسلم دنیا کے ان سیاسی اور اقتصادی مسائل کے نتیجے میں ظہور میں آئی ہے۔ جس کی وجہ سے سوسائٹی میں فرقہ واریت اور بے چینی پائی جاتی ہے۔ مسلم ثقافت کے بارے میں اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ مغرب اسلام کی اخلاقیات اور تاریخ سے آگاہ نہیں ہے۔ (اور وقت آگیا ہے کہ)

مغربی ثقافتیں مسلم ثقافت سے قریبی تعلقات کے قیام کو خوش آمدید کہیں۔"

آغا خان موصوف نے اپنی تقریر کے آخر میں فارغ ہونے والے نوجوانوں سے اپیل کی کہ وہ مغرب اور اسلامی دنیا کے درمیان علم کی خلیج کو پاٹنے کے لیے پل کی تعمیر کریں۔ (ڈان(Dawn) مئی 28/1996ء)

بے شبہ آغا خان موصوف کی یہ تقریر ان کے فکری ٹھہراؤ، پختگی اور عالمی امور پر ان کی گہری بصیرت کا پتہ دیتی ہے اور انہوں نے بروقت مغرب کی توجہ کو وقت کے اس اہم مسئلے کی طرف مبذول کرایا ہے۔ بے شک مغرب میں مسلم دنیا کے بارے میں پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں سے نہ صرف اسلامی دنیا بلکہ پوری انسانیت کو نقصان پہنچے گا اور یہ امر جدید تاریخ کا ایک المیہ ہو گا۔

واقعہ یہ ہے کہ سویت یونین کے سقوط اور سرد جنگ میں مغربی فتح سے بعض لوگ اس فریب میں مبتلا ہوگئے تھے کہ اب انسانی تاریخ کے افق پر ایک نئی صبح مسکرانے والی ہے لیکن بوسنیا کی خون چکاں داستان، افغانستان، لوانڈا اور افریقہ کے دوسرے ممالک میں انسانی خون کی ارزانی، اور دنیا کے دوسرے مقامات میں خوف ناک حوادث سے پتہ چل گیا کہ زندگی اور کائنات کے بارے میں جدید انسان کا نقطہ نظر بدلا نہیں ہے اور وہ زندگی کے بارے میں اپنی پرانی روش کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ چنانچہ یہ "داغ داغ اجالا" یہ "شب گزیدہ سحر" دکھی انسانیت کو امید کا پیغام نہ دے سکی اور ایک نئے عالمی نظام کا نعرہ مغرب کی سیاسی "انا" کا ایک نیا مظاہرہ ثابت ہوا۔ چنانچہ اسلامی عقیدے کے خلاف، جو اپنے مزاج اور فطرت میں امن و آشتی کا دوسرا نام ہے، حالیہ پروپیگنڈا بے بنیاد پروپیگنڈا ہے، جس کے لیے مغرب کے "سیاسی" دانشوروں کے پاس کوئی اخلاقی جواز نہیں ہے، اس لیے کہ اسلام پوری عالم انسانیت کو ایک خدائی کنبہ قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ "خدایا! گواہ رہنا پوری انسانی مخلوق آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اس کنبے میں وہی انسان اللہ کی نگاہ میں سب سے

زیادہ عزیز ہے' جو اس کی مخلوق کے لیے سب سے زیادہ حسن سلوک سے کام لیتا ہے۔" ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبرؐ اسلام یہ دعا مانگا کرتے تھے: "خدایا! تو ہی السلام (The Peace) ہے اور تیری ہی ذات امن و آشتی کا سرچشمہ ہے اور یہ چشمہ آخر میں پھر تیرے ہی (محیط بے کراں) میں جا گرے گا۔ مستند روایات میں آتا ہے کہ آپؐ اپنی جوانی میں عبداللہ بن جدعان کے گھر ایک اجتماع میں شریک ہوئے تھے' جس میں مکہ کے چند معزز لوگوں نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ ہم مظلوم کی امداد کریں گے' خواہ وہ مکہ کا شہری ہو یا اجنبی' ہر مظلوم کو اس کا حق دلائیں گے۔ یہ معاہدہ اسلام کی تاریخ میں حلف الفضول کے نام سے معروف ہے۔ آں حضرتؐ اس اجتماع میں شریک تھے اور آپ کی عمر بیس سال تھی۔ بعد میں جب آپؐ مقام نبوت پر فائز ہوئے' اور اہل مکہ نے سچائی کا انکار کرتے ہوئے' آپؐ کے خلاف معاندانہ رویہ برابر اختیار کئے رکھا حتیٰ کہ آپؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے' لیکن اہل مکہ کے رویہ میں کوئی فرق نہ آیا' آخر ایک وقت آیا کہ اہل مکہ نے سن 6 ہجری میں حالات سے مجبور ہو کر مسلمانوں کے ساتھ معاہدے پر دستخط کئے' اس معاہدے میں بعض دفعات بہ ظاہر مسلمانوں کے حق میں نہیں تھیں' لیکن آنحضرتؐ نے اس معاہدے پر دستخط فرمائے' اس معاہدے کو "فتح" سے تعبیر کیا گیا' کیوں کہ اس کی وجہ سے امن نے جنگ پر فتح پائی تھی۔ اس معاہدے پر مغرب کے منصف مزاج سکالرز نے آنحضرت ﷺ کی حکمت و بصیرت اور آپؐ کے ضبط و تحمل کو خراج ادا کیا ہے۔

آپؐ نے انسانی خون ریزی کو روکنے اور مظلوم انسانوں کو دکھوں سے سے نجات دلانے کے لیے فرمایا: خدا کی قسم! یہ حلف الفضول (جس میں آپ نے نبوت سے پہلے حصہ لیا تھا) مجھے آج بھی سرخ اونٹوں سے کہیں زیادہ عزیز ہے۔ اگر آج بھی کوئی مجھے اس معاہدے کی دعوت دے تو میں اس معاہدے پر

دستخط کر دوں گا۔

اسے وقت کی ستم ظریفی کہئے یا کچھ اور کہ آج مغرب میں بعض لوگ ایک ہی سانس میں اسلام اور دہشت گردی کا نام لیتے ہیں' تشدد یا فکری جمود کا یہی نعرہ آج سے تقریباً ایک صدی قبل سرولیم میور (William Mure) نے اپنی کتاب "خلافت اور اس کا عروج و زوال" میں لگایا تھا اور کتاب کے آخر میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ "عیسائی قومیں وقت کے ساتھ ساتھ تہذیب' آزادی' اخلاق' سائنس' ادب اور فلسفے میں برابر ترقی کرتی جائیں گی' لیکن اسلام جہاں کھڑا ہے وہیں کھڑا رہے گا۔ تاریخ نے یہی بتایا ہے کہ یہ جمود برقرار رہے گا۔" اسی قسم کی باتیں ولیم میور کے ایک دوسرے معاصر ریناں نے بھی کہی تھیں۔ فرانسیسی فلسفی نے اپنے ایک لیکچر "اسلام اور سائنس" میں یہ دعویٰ کیا تھا: اسلام (دوسرے مذاہب کی بہ نسبت) ایک فروتر نظریہ ہے' 2- اسلام اور سائنس اکٹھے نہیں چل سکتے۔ 3- جدید دنیا میں رہنے کے ڈھنگ اپنا نہیں سکتا۔ مرحوم جمال الدین افغانی نے ریناں کا جواب بھی دیا تھا' جسے خود ریناں نے پسند کیا تھا۔

القصہ میور یا ریناں نے علمی سطح پر انحطاط پذیر مسلم معاشرے کے طرز فکر اور طرز عمل پر تنقید کی تھی' لیکن آج مغرب کے ذرائع ابلاغ مسلمانوں کو کمیونزم کا جانشین قرار دے کر انہیں دہشت گرد ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں' اس کی ایک وجہ مغرب کا احساس محرومی بھی ہے۔ مغرب کو اس بات کا احساس ہے کہ مشرق اس کے سیاسی اقتدار سے آزاد ہو چکا ہے۔ نیز یہ کہ معیشت اور اقتصاد میں بھی مرکز ثقل' پانچ سو سال کے بعد اٹیلانٹک سے منتقل ہو کر مشرق کی طرف جا رہا ہے' اس صورت حال کے پیش نظر ہمارا فرض ہے کہ ہم سنجیدگی سے اپنے طرز عمل کا جائزہ لیں کہ کیا ہم موجودہ وقت میں جب دنیا کے تمام سیاسی اور مذہبی ادارے سرگرم "تبلیغ" ہیں' زندگی اور کائنات

سے متعلق اپنا نقطہ نظر پیش کر رہے ہیں' یا مسلمان معاشروں کو اخلاقی بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے ہم نے ایک مربوط اور ٹھوس پروگرام کے تحت کوئی کام کیا ہے؟ اگر نہیں کیا' تو پھر ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ نہ تو ہم مغرب کے پروپیگنڈا کا مثبت جواب دے سکتے ہیں اور نہ ہی کھوکھلے نعروں سے اپنے گھر کا اجتماعی نظام درست کرسکتے ہیں' بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ آج مسلم معاشروں میں جو سیاسی' معاشی' ثقافتی ناہمواری پائی جاتی ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم سنجیدگی اور اخلاص کے ساتھ اپنے اجتماعی نظام کا محاسبہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ صرف چند الفاظ اور بے معنی تقریروں سے سوسائٹی کو ظلم و ستم' ابتری و بدنظمی اور کرپشن سے پاک کرنا چاہتے ہیں' لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ عرصہ حیات میں برسرپیکار وہی قومیں آگے بڑھتی ہیں' جو علم' عمل اور جدوجہد کے ہتھیاروں سے مسلح ہوتی ہیں' اپنے سامنے زندگی کا ایک بلند نصب العین رکھتیں ہیں اور اس کے حصول کے لیے دیوانہ وار میدان عمل میں اترتی ہیں۔ نفاق' بے عملی' نفرت اور لالچ کی فضا میں جینے والی قوم نے کبھی اخلاق و فلسفہ یا سیاست و معیشت میں کوئی صحت مند کردار نہیں کیا۔ افلاطون نے سچ کہا تھا کہ ایک معاشرے میں پائی جانے والی بدنظمی دراصل انسان کے ذہنی انتشار اور فکری ژولیدگی کی نمائندگی کرتی ہے۔ چنانچہ ہم نے بار بار معارف کے صفحات میں یہ لکھا ہے' کہ ہمیں مغرب یا کوئی دوسری قوم سے "خدا واسطے" کا بیر رکھنے کی بجائے یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا اجتماعی زندگی میں ہمارا طرز فکر اور طرز عمل سچائی پر استوار ہے؟ کیا ہم نے اپنے معاشروں میں عام اچھی باتوں کو بھی اختیار کیا ہے' مثلاً سادگی' نام و نمود سے دوری' فضول خرچی' رشوت' قومی دولت کے ضیاع سے بچنا۔ اگر جواب نفی میں ہے' تو پھر کس منہ سے ہم مغرب کے غیراخلاقی طرز عمل کے خلاف آواز اٹھا سکتے ہیں؟ واقعہ تو یہ ہے کہ مغربی سوسائٹی اپنی پوری خامیوں کے باوجود' آج تلاش حق میں سرگرداں ہے' اس

کی روح کائنات سے ماوراء ہستی سے رشتہ جوڑنے کے لیے بے قرار ہے' مادی دنیا میں عیش و عشرت کے ہر جلوۂ رنگیں کا نظارہ کرنے اور سائنسی تجربات میں ہر کامیاب قدم اٹھانے کے بعد وہ بے اختیار یہ پکار اٹھتی ہے کہ اس کے بعد کیا ہے؟ ان بے قرار روحوں کے قرار کا ساماں اسلام کے پاس ہے۔ چنانچہ مسلم اہل فکر کا فرض ہے کہ اس نازک وقت میں اسلام کے عظیم روحانی پیغام کو سنائی' عطار' جلال الدین رومی اور ابن عربی کی زبانی ان تک پہنچائیں اور اسلام کو ایک "سیاسی منشور" کی بجائے ایک آفاقی پیغام کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کریں۔ روڈی پیرٹ (Rudi Paret) نے اپنی ایک تحریر میں لکھا ہے کہ بے شبہ 19 ویں صدی کے نصف تک مغرب کے اہل استشراق مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے کے لیے کام کر رہے تھے' لیکن اب انہوں نے اپنی روش ترک کر دی ہے' اب وہ تلاش حق کے جذبہ سے سرشار ہو کر عربی ادب اور اسلام کا مطالعہ کر رہے ہیں' اور اس طریق سے اپنی میراث یا روایات کو روشنی فراہم کر رہے ہیں۔ (جرمن جامعات میں عربی ادب اور اسلام کا مطالعہ' ص 3) کاش! مسلم دنیا کے ارباب فکر' خاص طور پر مصر' پاکستان اور مشرق بعید کے مسلم دانشور اہل مغرب کو اپنے صحت مند ورثے سے آگاہ کریں اور بتائیں کہ قرآن نے واضح اور غیر مبہم طور پر ان لوگوں کی سخت مذمت کی ہے جو زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے انسانی بستیوں کو ویران اور کھیتیوں کو برباد کرتے پھرتے ہیں۔ (سورۃ البقرہ 205)

کینیڈا میں ہمارے ایک سائنس داں دوست نے' جو ادب و فلسفہ سے بھی گہری دلچسپی رکھتے ہیں' ہمیں بتایا کہ وہ 1979ء میں مولانا مودودی سے ان کی وفات سے چند روز قبل امریکہ میں ملے تھے۔ تو مولانا نے ان سے کہا کہ اگر زندگی مجھے اور مہلت دیتی اور صحت بھی' تو میں ہیگرازم (Hagarism) کی رد میں (جدید طرز میں) علمی کتاب لکھتا' مولانا مرحوم کی اس ناتمام آرزو سے پتہ

چلتا ہے کہ وہ وقت کی اس اہم ضرورت کا (فکری سطح پر قرآن سے متعلق "علمی مغالطوں" کا جواب دینا) شدید احساس رکھتے تھے۔[1] قصہ مختصر یہ کہ جناب آغا خان نے اسلام کے بارے میں مغرب کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے طالب علموں کو جو قیمتی مشورہ دیا ہے، اس پر پاکستان کے اہل فکر کو بھی غور کرنا چاہیے۔

رشید احمدؒ (جالندھری)

1- 1980ء میں ڈاکٹر فضل الرحمان مرحوم نے شکاگو یونیورسٹی سے "قرآن کے بنیادی افکار" کے نام سے ایک خوب صورت علمی کتاب شائع کی، جس میں کردن (Crone) کی (Hagarism) اور ونیس برا (Wansbrough) کی مطالعات قرآن (Quranic Studies) کا بھی ذکر آیا ہے، ان دونوں حضرات نے قرآن مجید سے متعلق "پرانے نغمے" کو کہ وہ یہود و نصاریٰ کے مذہبی مناظروں کی فضا میں تخلیق کیا گیا تھا، دہرایا تھا اور بزعم خویش "علمی دلائل" فراہم کئے تھے۔